ثمرہ ضمیر
اسسٹنٹ رجسٹرار (اکیڈمک)
وفاقی اُردو یونیورسٹی، کراچی

اُردو افسانے کا موضوعاتی ارتقا: تجزیاتی مطالعہ

This article studies the thematic evolution in Urdu afsaana (short story). It deals with the beginning of the genre of afsaana and how the renowned authors of afsaana captured the changes on the spur of political and social happenings in the subcontinent in their eminent short stories. These stories have been reviewedin this paper with the aim to cover the evolution in the themes of the afsaanas penned down during the 19th and20th centuries.

اردو ادب میں افسانہ مغرب سے آیا اور اب اس صنف کی عمر سو سال سے زائد ہو چکی ہے۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ ایسی ی صنف ہے جس میں موضوع، خیال، جذبے، احساس، تجربے کا اظہار بڑی کامیابی، خوبصورتی اور ہنر کاری سے کیا جاسکتا ہے۔ افسانہ جن اجزاء پر F ہوتا ہے ان میں C دی اور کلیدی حیثیت پلاٹ، قصہ، مرکزی خیال اور کردار نگاری کو حاصل ہے۔ افسانہ ایسی تحریر ہے جسے وقت کے مختصر دورانیے میں ایک ہی نشست میں پڑھا جاسکے۔ اگر افسانہ ایک نشست میں نہ پڑھا جاسکے تو مشہور ادیب $ اور افسانہ نگار ایڈگر ایلن پو (Edgar Allen Poe) کے Ã یہ کے مطابق وہ اپنا بھرپور تاثر قاری کے ذہن پر نہیں ڈال سکتا گویا وحدت تاثر افسانے کے لیے لازمی شرط ہے۔ اردو افسانے میں ابتدا ہی سے دو رجحانات ساتھ ساتھ سفر کرتے Ã آتے ہیں۔ ایک طرف سماجی حقیقت نگاری پر F افسانے لکھے جاتے رہے اور یہ رجحان منشی پریم چند، علی عباس حسینی اور کسی قدر اعظم کریوی کے یہاں Ã آتا ہے اور دوسری طرف رومانی اور جمالیاتی نوعیت کے افسانے لکھے جاتے رہے۔ شاید اس لیے کہ افسانے پر اس روایت $ کا بھی اثر تھا جو ہمارے داستانوی ادب سے متعلق تھی چنانچہ سجاد حیدر یلدرم، احمد علی، نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھ پوری اور حجاب امتیاز علی وغیرہ کے افسانوں میں خالص حقیقت پسندی سے زیادہ رومانی وتخیّلی فضا Ã آتی ہے۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

> یہ رومانی طرز کے افسانہ نگار ایک تخیّلی فضا میں سانس لے رہے تھے اور محبت کے افلاطونی Ã یے کی عکاسی، حسن کے غیر ارضی تصور کی Õب کشائی اور مظاہر پر ایک پھلتی سی Ã دوڑانے کے عمل میں مبتلا تھے شاید اسی لیے ان کے یہاں کردار نگاری کا عمل بھی پید ہے۔ انہوں نے ماحول کی ہر کروٹ یا رجحان کو ایک علامتی مظہر سے واضح کیا ہے چنانچہ اسی لیے کردار کے بجائے مثالی نمونے (Type) کی پیش کش تک خود کو محدود رکھا ہے۔[1]

وحدت تاثر اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے جب افسانہ نگار زندگی، سماج اور ماحول کے تمام پہلوؤں کے بجائے کسی ایک پہلو یا کسی ایک واقعے یا کسی ایک مخصوص کردار کو کہانی کا حصہ بنائے اور اسی کے بیان پر توجہ مرکوز رکھے۔ افسانے میں پلاٹ کا ہونا ضروری ہے جس میں ہم مناظر و مظاہر اور واقعات کی تفصیلات بیان کریں اور انہیں ایک مربوط و منظّم شکل میں پیش کریں یہ افسانہ نگار کا فنی وتخلیقی کمال ہے اور یہی افسانے کی خوبی ہے کہ اس میں وحدتِ تاثر کا عنصر úیں ہو۔

یوں تو اردو افسانہ نگاروں کی فہرست میں راشد الخیری کا نام سب سے پہلے آتا ہے کیو è ان کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۸۹۴ء میں ہوتا ہے جبکہ ۱۹۰۳ء میں سر عبدالقادر کے رسالے ''مخزن'' میں ''نصیر اور خدیجہ'' کے عنوان سے ان کی ایک افسانہ ú کہانی

چھپی۔ ’’مخزن‘‘ ہی میں وقتاً فوقتاً ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہیں، بقول ڈاکٹر فوزیہ اسلم:

> راشد الخیری نے بے شمار افسانے اور د V کتب تحریکیں جن میں سے ۳۸ افسانوی مجموعے ۱۸/افسانہ Ú تحرییں، طویل افسانے اور* ول شامل ہیں 1 انہوں نے افسانے کے فن کو کہیں بھی سامنے نہیں رکھا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا سارا ادب یکسا M کا شکار ہH ہے۔ راشد نہ صرف یہ کہ فن کو Ã # از کرتے رہے بلکہ وفور* ت، مبالغہ آرائی اور کہانی کے منطقی ا م کے بجائے پہلے سے طے شدہ غیر فطری ا م پر ختم کردینے کے L افسانے کی ہوئی تکنیک میں اپنا حصہ نہیں ڈال سکے۔ [۲]

سجاد حیدر یلدرم کے اوّلین افسانے کا* م ’’خارستان وگلستان‘‘ ہے جو درحقیقت کی ادب سے جمہ کیا H ہے۔ ’’خیالستان‘‘ کے* م سے انہوں نے اپنا افسانوی مجموعہ شائع کیا، جبکہ دوسرا مجموعہ ’’حکا*یت و احساسات‘‘ کے* م سے شائع ہوا۔ جیسا کہ* م ہی سے ظاہر ہے کہ یلدرم کے افسانوں میں تخّیلی فضا، رومان کی کیفیت، خیال کی رنگینی اور* ن کی چاشنی ہے جو ہمیں داستانوں کی طرف لے جاتی ہے، ’’خارستان وگلستان‘‘ اس کا واضح ثبوت ہے۔ اکثر افسانوں میں یلدرم نے اپنے کرداروں کی نفسیاتی الجھنوں* کشمکش کو ڈی خوبصورتی سے ابھارا ہے اور کہانی میں کسی قدر انوکھا پن اور ڈرامائی کیفیت پیدا کی ہے۔ اس ضمن میں ان کے افسانے ’’نکاحِ* نی‘‘، ’’ o کی پہلی -‘‘، ’’سودائے سنگین‘‘ اور ’’آہ یہ Ã یں‘‘ بطور مثال پیش کیے جا h ہیں۔ ’’مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ‘‘ ’’ا/ میں صحرانشیں ہو‘‘ ’’صحبت* جنس‘‘ اور ’’ازدواج محبت‘‘ بھی ان کے کامیاب اور معیاری افسانے ہیں جن میں + افسانے کی خصوصیات موجود ہیں۔ چو è یلدرم کے مزاج میں شعری $ تھی لہٰذا ان کے افسانوں کی فضا بھی رومان پر ور ہے جنہیں ان کے دلکش اسلوب اور شاعرانہ طرز اظہار نے اور بھی پُرکشش بنا* ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ راشد الخیری کی سیدھی سادی اور سپاٹ کہانیوں نے اردو افسانہ نگاری میں بطور خاص Kl نی مسائل اور سماجی موضوعات پر افسانے لکھنے کے ا- مو ر جحان کا آغاز کیا۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے زمانی اعتبار سے یلدرم کے افسانوں کو راشد الخیری کے افسانوں سے پہلے شائع شدہ قرار* ہے وہ مز+ کہتے ہیں۔

> اول اول . #+ احمد دہلوی کی مقصدی حقیقت نگاری نے افسانہ طرازی کی، داستانوں کی روای$ کو اس کے منطقی ا م - پہنچا تو بے اور شعری $ کی* فت کے ساتھ رومانی مثالیت کو رواج 5، اس کی اوّلین مثال راشد الخیری کے افسانے ہیں‘‘ اردو کے پہلے افسانہ نگار راشد الخیری کو یہ اعزاز ان کے طبع زاد افسانوں کے L حاصل ہوا/ نہ زمانی اعتبار سے سجاد حیدر یلدرم کے اجم خصوصاً* *لخیر‘‘ صحبت* جنس‘‘ ’’خارستان وگلستان‘‘ ’’فطرت جوانمری‘‘ ’’نکاح* نی‘‘ ’’سودائے سنگین‘‘ اور ’’ 1 کی پہلی -‘‘ راشد الخیری کے اس نوع افسانوں سے پہلے شائع ہوئے۔ [۳]

اس ضمن میں سعید معین الرحمٰن لکھتے ہیں:

۱۹۰۳ء - وہ (یلدرم) افسانہ نگاری کے میدان میں اپنا مقام اور مرتبہ اس حد - محفوظ کرا چکے تھے کہ Õ دوں نے ان کے افسانوی اکتساب کا جا ئزہ 8 شروع کر* تھا، چنانچہ رسالہ ’’مخزن‘‘ جلد۴، شمارہ۶ $ مارچ ۱۹۰۳ء میں ’’اردو* ن اور افسانہ نگاری‘‘ کے عنوان سے غلام بھیک - کا ا- تفصیلی جائزہ شائع ہوا جو یلدرم کے طویل افسانے ’’زہرا‘‘ کے تنقیدی مطالعے پر مشتمل ہے۔ مختصر یہ کہ بلا* مل بقول شخصے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح د* ئے مغرب میں پو کو مختصر افسانہ نویسی کا مو. کہا H ہے سجاد حیدر یلدرم اردو* ن میں طرز + کے مختصر افسانے لکھنے والے پہلے شخص ہیں۔ [۴]

سجاد حیدر یلدرم ہی کی طرح* ز فتح پوری بھی طبعاً اور فطرتاً جمال پر - تھے، حُسن پرستی اور رومانو$ یہ دو عناصر ان کی

تخلیقات میں حاوی Ã آتے ہیں، خواہ تنقید ہو*ِ مکتوب نویسی*ِ پھر افسانہ نویسی وہ حقیقت نگاری اور مقصد $ سے *زِ دہ رومانی فضا، جمالیاتی کیفیت اور اسلوب کی دلکشی کا سہارا e ہیں، ''کیو+ٹ اور سائیکی''''زا ٔ محبت'''' ا ے شاعر کا ا م'''' *ر ن گاہ'''' شہاب کی سرَ ٔ ش ے''میں بھی ان کے دلکش اسلوب کی سحر انگیزی قاری کو بے خود کر دیتی ہے* ہم ان کا شمار افسانوں کے بجائے طویل افسانوں *٭ و ٹ میں ہو* ہے۔ *ز کے افسانوی مجموعے''جمالستان'' اور ان کے دv افسانوں کو پڑھ کر احساس ہو* ہے کہ ان کے یہاں فنی تقاضے *ِ ن و بیان کے حسن کے ساتھ گھل مل کر ا ے بھرپو* ٔ ش کو جنم دیتے ہیں ان کے افسانوں کے بیا6 میں جو شاعرانہ حسن اور رومانی رنَ ے Ã *ا ہے اور جس طرح وہ مختلف مناظر اور ان کی ٔ ئیات کے سہارے افسانے کو آگے بڑھاتے ہوئے فکری منطقی ا م ے پہنچاتے ہیں اس کے L دv افسانہ نگاروں سے منفرد Ã آتے ہیں۔

یلدرم اور *ز فتح پوری کے ساتھ بتدائی افسانہ نگاروں میں مجنوں گورc ری کا* م بھی *ا ہے۔ مجنوں نے پہلا افسانہ ''+ ی کا حشر'''' *ز کے طویل افسانے''''شہاب کی سرَ ٔ ش ے'' سے متا ٔ ہوکر لکھا ''خواب و خیال''، ''C'' اور ''گہنا'' ان کے بہترین افسانوں میں شمار ہوتے ہیں بقول سحر ا« ری:

> مجنوں کے افسانوں میں غم کی جبر $ اور تشکیک کے عناصر کو دیکھ کر عموماً یہ رائے دی جاتی ہے کہ ہارڈی اور شوپنہار کے پیرو ہیں، مجنون صا # کے افسانوں میں بھی بیشتر عناصر وہی ہیں جو اس دور میں عام تھے۔ عورت اور K ئیت کے* رے میں ا ے مخصوص نقطۂ نگاہ، افلاطونی Ã یہ عشق کا اظہار، تکمیلِ آرزو کو آرزو کی موت خیال کر ، عورت کو ماورائی اور الوہی شے سمجھنا، K ی اوصاف سے عورت کو متصف کرنے کو عورت کی توہین خیال کر ، خوب صورت الفاظ فارسی کے اشعار اور شاعرانہ " اکیب سے تحر یں میں شگفتگی پیدا کر ، (اَ چہ بعض صورتوں میں شگفتگی کے بجائے تصنّع پیدا ہوجا* ہے)۔ ۵

اَ چہ مجنوں گورc ری کے افسانوں میں روما M کے ساتھ ساتھ علمی و فکری فلسفیانہ رجحان غا Ã *ا ہے یہی چیز ان کے خطوط میں بھی* ئی جاتی ہے۔ انہوں نے جو کردار تخلیق کیے ہیں وہ عام کردار نہیں ہیں بلکہ علمی، ادبی اور فلسفیانہ ذہنیت کے حامل افراد ہیں۔ ان کے افسانوں میں ا ے المناک اور غمگین روما M چھائی رہتی ہے۔ فن افسانہ نگاری کے اصل تقاضوں اور تکنیکی ضرو* یت کو مد Ã ر p ہوئے افسانہ نگاری میں جمالیات اور رومانی طرزِ احساس کے ساتھ ساتھ مغربی افکار و خیالات کو خوب صورتی اور عمدگی کے ساتھ پیش کر مجنوں کی اہم خصوصیت ہے۔

حجاب امتیاز علی بھی بطور افسانہ نگار *ز اور مجنوں ہی کے زمانے سے تعلق رb ہیں۔ وہ بھی رومانی طرز احساس سے متا ٔ ہیں *ہم ان کے افسانوں میں ا ے پُر اسرار کیفیت اور کسی قدر خوف اور ہیبت کا عنصر بھی U ں ہے۔ اَ چہ حجاب امتیاز علی کا اسلوب نگارش خالصتاً رومانی ہے* ہم عالم ارواح کے خوف* ک مناظر اور ان کے ساتھ ساتھ بھوتوں کے قصے ان کے افسانوں میں ا ے خوف* ک اور سحر انگیز فضا پیدا کر دیتے ہیں، دادی زبیدہ، سرجعفر، ڈاکٹر گار اور ز* ش ان کے تخلیق کردہ کرداروں کی عمدہ مثالیں ہیں۔

یلدرم، *ز، مجنوں اور حجاب کے افسانوں میں جہاں رومانی طرزِ احساس مقبولیت حاصل کر رہا تھا وہیں سماجی حقیقت پسندی کا رجحان بھی افسانہ نگاری کو متا ٔ کر رہا تھا۔ اُس رجحان کی " جمانی پریم چند، ل احمد، مہاشے سدرشن، سلطان حیدر جوش، علی عباس حسینی اور اعظم کریوی کے یہاں Ã آتی ہے۔

پریم چند ادب میں " قی پسندانہ رجحا ت سے خاصے متا ٔ ہوئے لہٰذا سماجی حقیقت نگاری اور K ی نفسیات کے پہلوؤں کے یہاں بہت U ں ہیں۔ پریم چند کی U ں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے توسّط سے اردو افسانہ دیہاتی *گی، ماحول اور دیہات میں جنم

ê والے مسائل اور الجھنوں سے آ گاہ ہوا، پریم چند نے بڑی تعداد میں مہارت اور خوبصورتی سے اپنے افسانوں اور* ولوں میں دیہاتی ز+ گی کو پیش کیا ہے ۔ پریم چند نے ۔ # افسانہ نگاری کا آغاز کیا تو وہ داستانوی ادب کی روای$ اور اِ‌ث سے خود کو نہ بچا سکے ، *۔ ہم وقت اَ‌ رنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے افسانے کے اسلوب اور تکنیک کے اصولوں کا لحاظ ر p ہوئے خود کو داستان کے رنَ- اور روای$ سے الگ کرتے ہوئے بہترین افسانے تحریر کیے ، ان کے مشاہدے اور تجربے نے بھی ان کے افسانوں میں حقیقت کا رنَ- بھرڈ*ی اور انہوں نے کہانی کو گنجلک بنانے کے بجائے اسے اس طرح بیان کیا کہ لوگوں ۔- وہ* بات پہنچ جائے جو وہ پہنچا* چاہتے ہیں ۔ انہوں نے کردار نگاری پر خاص توجہ دی اور کرداروں کو اُبھارنے کے لیے انہوں نے مرقّع نگاری کے فن کا سہارا لیا ، ''سر پُر غرور''، ''قزاقی''، ''دفتری'' اور بڑے بھائی'' وغیراسی ذیل میں آتے ہیں ''دودھ کی قیمت''، ''نئی بیوی''، ''کفن''، اور ''. مانہ'' بھی ان کے اچھے افسانوں میں شمار ہوتے ہیں، انہوں نے دیہاتی ز+ گی کے ساتھ ساتھ شہری ز+ گی کی بھی کامیاب عکّاسی کی ہے۔ ان کا اسلوب دلآ ویز اور جاذب توجہ ہے اور وہ عام طور پر کہانی لکھتے وقت ایسی ز*بان استعمال کرتے ہیں جو عام طبقے کے افراد کی سمجھ میں آ سکے ۔

سلطان حیدر جوش کے افسانے بھی اپنے موضوع کی فنّی تکنیک کے حوالے سے اہمیت کے حامل ہیں ۔ اَ‌/ چہ وہ بھی افسانے کے رومانی د.‌آ ن سے تعلق ر p ہیں* ہم ان کا میلان طبع مصلحانہ کوششوں اور قوم پرستی کے رُجحا*ت کی طرف تھا اور ان کی طبیعت کے اس میلان نے ان کے افسانوں کو افسانوی فن کے نقطۂ Ã سے نقصان پہنچا‌یا کیوں کہ ظاہر ہے وعظ و تبلیغ مضمون کی حد ۔- صحیح ہے* ہم افسانے کے لیے یہ چیز بہتر نہیں ہوتی کیوè اس سے فنّی تقاضے مجروح ہوتے ہیں ، بقول پروفیسر وقار عظیم:

> سلطان حیدر جوش خالص معاشرتی اور اصلاحی افسانہ نگار ہیں اور اس طرح ان کا دائرہ عمل پریم چند کے مقابلے میں بہت محدود ہے ۔ سلطان حیدر نے اپنی اصلاح کے مقاصد کو صرف سماجی ز+ گی ۔- محدود رکھا ہے ۔[٦]

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سلطان حیدر جوش کی اصلاح پسندی کے .ِ بے نے اتنی شدّت پکڑلی کہ ان کے افسانوں میں دلچسپی اور فنّی خوبیوں کے بجائے کہیں کہیں طنز اور وعظ و تبلیغ کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ ان کے مجموعے ''فسانۂ جوش'' میں یہی کچھ Ã آ* ہے ۔ دوسرے افسانوی مجموعے ''جوش فکر'' میں مقصدی$ سے ز*یادہ طنز و مزاح کی کیفیت محسوس ہوتی ہے ان کے افسانے ''طوق آدم''، ''خواب و خیال''، ''پھر بھی عمر قید'' '' لیڈر''، ''عالم ارواح اور '' معمّا'' اچھے افسانوں میں شمار ہوتے ہیں ۔ جوش افسانوں کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے روما M اور سماجی حقیقت نگاری کے توازن کے ساتھ اپنا ای- الگ راستہ بنا*یا ہے ۔

ل۔ احمد (لطیف الدین احمد) بھی اردو افسانہ نویسوں کی ابتدائی صف میں شمار ہوتے ہیں ۔ ان پر بھی یلدرم، *ز اور مجنوں کی طرح روما M کا غلبہ ہے ۔ ان کے پہلے افسانوی مجموعے ''K ئے لطیف'' کے افسانے اس* بات کا واضح ثبوت ہیں لیکن بعد کے افسانوں میں رومانی رجحان کے ساتھ ساتھ سماجی شعور اور سماجی حقیقت نگاری کا عنصر بھی پیدا ہH ۔ وہ ترقی پسند رجحا*ت اور افکار و خیالات سے بھی متاثّ ہوئے۔ انہیں اپنے اردَ‌ رد رہنے والوں اور K نی قدروں کا* پاس تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے بعد کے افسانوی مجموعے ''ز+ گی کے کھیل'' کو K M کے* نام معنون کیا ہے۔ وہ ای- رومانی طرز کے افسانہ نگار ہوتے ہوئے بھی لوگوں کے مسائل اور معاشرے میں* پائی جانے والی سماجی و معاشی عدم مساوات کو شدّت سے محسوس کرتے ہیں ۔ وہ ترقی پسند تحری- کے ساتھ ساتھ روسی ادب سے بھی متاثّ ہوئے اسی لیے ان کے افسانے روما M اور سماجی حقیقت پسندی کا خوب صورت امتزاج کہے جا h ہیں۔

مہاشے سدرش بھی ابتدائی افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں ۔ ان کے افسانوں کے موضوعات منشی پریم چند کے موضوعات سے مماثلت ر p ہیں یعنی وہی معاشرے کے کمزور، مظلوم ، غری$ اور پسے ہوئے لوگوں کی ز+ گی کی عکّاسی ۔ ان کے افسانوں میں

K ن کی ز گی کے نفسیاتی پہلوکی ترجمانی بھی ملتی ہے۔ ان کے افسانوی کردار معاشرے کے اعلیٰ طبقے کے بجائے عام اور نچلے طبقے سے تعلق ر p ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعے''چندن''، ''بہارستان''، ''طا ِ خیال'' اور ''سدا بہار پھول'' کے علاوہ ان کے افسانے ''شاعر'' ''اپنی فطرت دیکھ کر'' ''خانہ داری کا سبق''، '' فری$ دو '' اور '' ک نموذ'' روما M، K نی نفسیات اور سماجی حقیقت نگاری کے عمدہ نمونے ہیں۔

علی عباس حسینی بھی پریم چند کے مکتبۂ فکر کے افسانہ نگار ہیں۔ پریم چند کی سماجی حقیقت پسندی کے رُجحان کو آگے بڑھانے والوں میں حسینی . سے آگے Ã آتے ہیں۔ انہوں نے یوپی کے مشرقی اضلاع کے دیہاتوں کی ز گی کو اپنے افسانوں کا موضوع بنا یا ہے۔ اس سلسلے میں جو کردار وہ تخلیق کرتے ہیں اور ا | افسانوں کے لیے جو پلاٹ بناتے ہیں ان دونوں کے* ہمی اشتراک سے خوبصورتی کے ساتھ دیہاتی ز گی کی فضا اور ماحول کو پیدا کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے تخلیق کردہ کردار اور ان کے مکالمات ان کی معاو$ کرتے ہیں۔ ان کے افسانے ''میلہ گھومنی'' اور '' ہمارا گاؤں'' اس* بت کا واضح ثبوت ہیں۔ سسپنس، ڈرامائیت اور ا- طرح کی پُر اسرار کیفیت ان کے یہاں بھی* پائی جاتی ہے۔ ''طمانچہ''، ''پہرے دار'' اور ''ولی عہد بہادر'' اس کی U یں مثال ہیں۔ حسینی کا + از بیان شگفتہ اور ز ن سلیس ہے، کہیں کہیں عمدہ تشبیہات اور محاورات کا برمحل استعمال بھی ملتا ہے۔ حسینی کے افسانوں میں روما M اور سماجی حقیقت نگاری کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

اعظم کریوی کے یہاں بھی روما M اور حقیقت پسندی کے رُجحا ت ساتھ ساتھ چلتے ہیں ان کے افسانے ''پریم کی چوڑ یں'' کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے، دیہاتی ز گی اور وہاں کے لوگوں کی غر$ وافلاس، ان کے مسائل، دیہاتی ز گی کے مناظر اور وہاں کے موسم کی کیفیات یہ تمام چیزیں ان کے افسانوں میں موجود ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں K نی نفسیات کے پہلوؤں کو بھی پیش کیا ہے اور K نی ب* بت واحساسات کی تصویر کشی بڑی کامیابی کے ساتھ کی ہے۔ رومانی طرز احساس کے L انہوں نے عورت کے ب* بت اور اس کے معاشرتی رُتبے کو متعین کرنے پر زور* یا ہے۔ ان کے افسانے ''*ئی'' اور ''شیخ برہمن'' اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ ڈاکٹر مسعود رضا خا کی لکھتے ہیں:

> ان کے (اعظم کریوی) افسانوں کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ پریم چند کی طرح دیہاتی ز گی کے تمام پہلوؤں کو تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کرتے بلکہ چند ا ُ انگیز واقعات کا انتخاب کرکے افسانے کے پلاٹ تعمیر کرتے ہیں، ان کے افسانوں میں دلچسپی کا ا- C دی L ان کی ز ن بھی ہے کہ بلکہ ز ن کے معاملے میں وہ پریم چند سے بھی چند قدم آگے نکل گئے ہیں۔[۷]

غرض اردو میں ا- جا$ رومانی طرز کے افسانے لکھے جارہے تھے تو دوسری جا$ حقیقت پسندی اور مقصد$ پر F افسانے۔ ا- رُجحان کی U ئندگی یلدرم، *ز، مجنوں گورc ری اور حجاب امتیاز علی کررہے تھے تو دوسرے رُجحان کی منشی پریم چند، سلطان حیدر جوش، ل احمد، مہاشے سدرشن، علی عباس حسینی اور اعظم کریوی وغیرہ۔ ۱۹۳۲ء کے اوا میں . # افسانوی مجموعہ ''انگارے'' شائع ہوا تو اردو افسانہ بھی اس کے ا ُ ات سے نہ بچ سکا۔ افسانوی مجموعے'' انگارے'' میں* پانچ افسانے سجادظہیر کے '' نیند نہیں آتی''، ''جنّت کی K رت''، '' دلاری''، '' پھر یہ ہنگامہ''، '' / میوں کی ا- رات''، ا- افسانہ اور ا- ڈراما ڈاکٹر رشید جہاں کا '' دلی کی سیر'' اور ''پردے کے پیچھے'' ا- افسانہ محمود الظّفر کا '' جواں مردی'' اور دو افسانے احمد علی کے* دل نہیں آتے'' اور ''مہاوٹوں کی ا- رات'' شامل تھے۔ ان افسانوں میں رجعت پسندی، فرسودہ سماجی رد* یت، نفسیاتی اور جنسی مسائل پر اظہار خیال کیا H لہٰذا ''انگارے'' کی اشا (کے خلاف بہت سے ادیبوں اور مذہبی حلقوں کی طرف سے شد+ ردِّعمل کے

مظاہرے کے بعد اس افسانوی مجموعے کو حکومت نے ضبط کر لیا۔ ہم اس افسانوی مجموعے نے اردو افسانے پر گہرے اثرات مرتب کیے اور موضوعات اور اظہار کی نئی راہیں پیدا کیں اور ادب میں ترقی پسندانہ رجحانات کا راستہ کھول دیا۔

۱۹۳۵ء میں پیرس میں World Congress of The Writer For The Defence of The Culture کے نام سے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ دنیا بھر سے شہرۂ آفاق ادیبوں نے اس میں شرکت کی۔ اس کانفرنس ہی کے زیر اثر لندن میں ہندوستانی ادیبوں نے ایک انجمن قائم کی، اس میں سجاد ظہیر، ملک راج آنند، بنگالی ادیب ڈاکٹر جیوتی گھوش، ڈاکٹر دین محمد تاثیر اور پرمود سین گپتا شامل تھے۔ اس انجمن کا نام Indian Progressive Writer Association رکھا گیا۔ ۱۹۳۶ء میں لکھنو میں منشی پریم چند کی صدارت میں ترقی پسند تحریک کا پہلا باضابطہ اجلاس ہوا۔ اس تحریک کا مقصد پرانے اور فرسودہ روایات و عقائد کو ترک کر کے زندگی کے بدلتے تقاضوں، محنت کش طبقے پر سرمایہ داروں کے مظالم، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، معاشرے میں پائی جانے والی طبقاتی کشمکش، کمزور، غریب مفلس اور ستم زدہ طبقے کے مسائل کا خاتمہ، ان تمام چیزوں کے خلاف آواز بلند کرنا اور سماجی حقیقت نگاری جیسے مقاصد کی اشاعت کرنا تھا۔ اس تحریک نے اردو افسانے میں اسلوب و تکنیک اور موضوعات کے اظہار کی [illegible] اور نئی راہیں کھول دیں۔ ۱۹۳۶ء کے بعد بہت سے افسانہ نگار سامنے آئے جن میں کرشن چند، راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، احمد ندیم قاسمی، غلام عباس، ممتاز مفتی، دیوندر ستیارتھی، اوپندر ناتھ اشک، اختر اورینوی، اختر حسین رائے پوری، حیات اللہ انصاری، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، قرۃ العین حیدر، بلونت سنگھ اور اختر انصاری وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام افسانہ نگاروں کے موضوعات کا تعلق سماجی زندگی سے ہے خواہ پھر سامراجی صیہونی طاقتوں اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں ظلم سہنے والے طبقوں اور قوموں کے مسائل سے ہے۔ انسان کی زندگی کے نفسیاتی وجنسی پہلو سے لے کر سماج کے استحصالی اور طبقاتی نظام کے سبب پیدا ہونے والے مسائل بھی ان کا موضوع بنے۔ ان افسانہ نگاروں نے اردو افسانے کو افسانوی فن کی تکنیک اور موضوعاتی اعتبار سے درجۂ کمال پر پہنچایا اور اپنے موضوعات کے اظہار میں [illegible] کی اور جدّت و نُدرت پیدا کی۔

کرشن چندر کا شمار اردو کے بڑے اور بہترین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے، انہوں نے کثرت سے افسانے لکھے موضوعات کا تنوع، مشاہدے کی وسعت اور زبان و بیان کی لطافت و شگفتگی ان کے افسانوں کی خصوصیات ہیں۔ ان کے بیشتر موضوعات زندگی، ماحول اور سماج سے متعلق ہیں۔ ابتداء میں انہوں نے رومانی طرز کے افسانے لکھے ان کے مجموعے ''طلسم خیال'' کے افسانے اسی نوعیت کے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زندگی کے تلخ حقائق، دنیا میں رونما ہونے والے حالات واقعات اور انقلابات و تحریکات کے اثرات ان کے افسانوں میں جگہ پانے لگے۔ ان کے مجموعے ''نظارے'' کے افسانوں میں رومانیت کے ساتھ ساتھ یہ اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ ''ٹوٹے ہوئے تارے'' میں بھی یہی کیفیت نظر آتی ہے۔ فنی اور تکنیکی لحاظ سے بھی کرشن چندر نے کچھ تجربات کیے۔ مثلاً انہوں نے بعض ایسے افسانے لکھے جن میں باقاعدہ کوئی پلاٹ نہیں ملتا۔ ''دو فرلانگ لمبی سڑک''، ''زندگی کے موڑ پر''، ''جہلم میں ناؤ پر'' اور ''گرجن کی ایک شام'' یہ تمام افسانے اسی ضمن میں آتے ہیں۔ ڈاکٹر فوزیہ اسلم کے مطابق:

> کرشن چندر نے اپنے کئی افسانوں میں مصوری کی ایک تکنیک کولاج (KOLASH) سے کام لیا ہے جس میں پاس دیکھیں تو بے ربط ٹکڑے جوڑے (جُڑے) محسوس ہوتے ہیں لیکن دور سے دیکھیں تو ان کی منطقی ہم آہنگی آنکھیں کھول دیتی ہے یعنی چند الگ الگ تاثرات صرف ہلکی سی مناسبت سے افسانہ بنائے جا سکتے ہیں، کبھی ان تاثرات کو ملا کر صرف ایک مرکّب پیش کیا جاتا ہے اور کبھی الگ الگ تاثرات کو ایک ایک کر کے رجوع ہوا گزر جاتا ہے۔ ''دو فرلانگ''، ''غالیچہ''، ''بالکونی'' اور ''زندگی کے موڑ پر'' اس کی مثالیں ہیں۔ ۸

''بے رنگ و بو''، ''حسن اور حیوان''، ''گرہن کی ایک شام''، ''دو فرلانگ لمبی سڑک''، ''اجنتا سے آگے''، ''غلاظت''، ''پانی کا درخت'' اور ''اُڑان'' ان کے اچھے اور کامیاب افسانے ہیں۔ کرشن چندر کے افسانے ''ہم وحشی ہیں'' اور ''پشاور ایکسپریس'' فسادات سے متعلق ہیں۔ راجندر سنگھ بیدی کا شمار بھی اردو کے بڑے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں میں ہمیں زندگی کا ہر پہلو اور گوشہ دکھائی دیتا ہے۔ فنی اور تکنیکی لحاظ سے ان کے افسانے بہت سی خوبیوں کے حامل ہیں، پلاٹ کے ساتھ ساتھ کردار نگاری کی خوبیاں ان کے افسانوں کا بڑا وصف ہے وہ Kl نی نفسیات کی گہرائیوں اور کیفیات کو اپنے کرداروں کے ذریعے بڑی عمدگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ''لاجونتی''، ''گرم کوٹ''، ''گرہن'' اور ''اپنے دکھ مجھے دے دو'' یہ تمام افسانے نفسیاتی نقطہ Ã سے بیدی کے اہم افسانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے افسانے سماجی مسائل اور زندگی کی الجھنوں، تلخیوں اور دکھوں کی بڑی کامیاب عکاسی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ''لاروے'' اور ''غلامی، ہڈیاں اور پھول'' بطور مثال پیش کیے جا h ہیں۔

سعادت حسن منٹو تلخ حقیقت نگار تخلیق کار ہے۔ انہوں نے بے شمار افسانے لکھے جن میں زندگی اور سماج کے مختلف پہلوؤں کی عکّاسی ملتی ہے۔ انہوں نے معاشرتی، نفسیاتی، اخلاقی اور جنسی موضوعات کو بڑی عمدگی اور مہارت سے افسانے کے قالب میں ڈھالا ہے۔ وہ کہانی بُننے، کہنے اور لکھنے کا ہنر جانتے ہیں، پلاٹ کے ساتھ ساتھ کردار نگاری میں بھی بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ ''نیا قانون''، ''*نچھ''، ''*بو گوپی*تھ''، ''بیگو''، ''پھاہا''، ''Èہ''، ''سڑک کے کنارے''، ''اس منجدھار میں'' اور ''*بو گوپی*تھ'' ان کے چند بہترین افسانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ منٹو کا ایک اہم موضوع طوائف ہے طوائفوں کے بارے میں منٹو نے جو افسانے لکھے ہیں وہ ان کے بہترین افسانے ہیں بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

> منٹو کے ایسے افسانوں کو پڑھ کر طوائف سے ہمدردی اور غلط Âم اقدار سے گھن اور Ðت کا احساس ہوتا ہے اور یہیں سے منٹو کی کامیابی کی حد شروع ہوتی ہے منٹو نے طوائف کو ایک Kl نی مخلوق کی طرح دیکھا ہے اس لیے وہ اُس کی مسرتوں، اس کے غموں، اس کی حسرتوں، اس کی *کامیوں اور اس کی مایوسیوں کے تمام پہلوؤں کو بے Õب کرتا ہے، اس موضوع پر منٹو نے یوں تو بہت سے افسانے لکھے ہیں لیکن ''ہتک''، ''کالی شلوار''، ''خوشیا''، ''پہچان'' اس رجحان کے سے اچھے نمونے ہیں، منٹو نے ان افسانوں میں اپنی مخصوص حقیقت نگاری کو کمال معراج پر پہنچا دیا ہے۔[۹]

خالص جنسی موضوعات پر بھی منٹو نے بڑے بھرپور اور کامیاب افسانے لکھے ہیں۔ ان افسانوں میں انہوں نے Kl ن کے نفسیاتی پہلوؤں کی بڑی عمدہ عکاسی کی ہے۔ ویسے بھی منٹو Kl نی زندگی کے نفسیاتی پہلو کا بڑا گہرا ادراک و شعور رکھتا تھا۔ غرض سماجی حقیقت نگاری، Kl نی زندگی کے نفسیاتی پہلوؤں کی کامیاب ترجمانی منٹو کے افسانوں کی اہم خصوصیت ہے۔ تقسیم ہند کے نتیجے میں رونما ہونے والے فسادات پر بھی انہوں نے بہت کچھ لکھا۔ اس ضمن میں ان کے افسانے ''کھول دو'' اور ''سیاہ حاشیے'' کے افسانچے بطور خاص قابل ذکر ہے۔

عصمت چغتائی کے افسانوں میں زندگی اور سماج کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی ہے۔ نوجوان طبقے کے، ذہنی و فکری، *تی و نفسانی مسائل اور *لخصوص متوسط طبقے کے مسلمان گھرانوں کے لڑکے لڑکیوں کے مسائل خاص طور پر جنسی و *تی مسائل کی کامیاب عکاسی کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے افسانے ''لحاف'' ''جال''، ''گیندا''، ''بھول بھلیاں''، ''تل''، ''پیر''، ''شادی''، ''*ریکی''، ''ہیرو''، ''حیوان''، اور ''بیڑیں''، قابل ذکر ہے۔ انہوں نے زندگی اور سماج اور خاص طور پر اقتصادی نفسیاتی مسائل میں جکڑے مسلم گھرانوں، متوسط طبقے کی ذہنی الجھنوں، *تی عدم آسودگیوں اور معاشرتی مسئلوں کی کامیاب تصویر کشی کی ہے۔ ''چوتھی کا جوڑا''، اور ''دو ہاتھ''، ''عشق پر نہیں'' اس ضمن میں بطور مثال پیش کیے جا h ہیں۔

اختر اورینوی اور سہیل عظیم آبادی کے افسانے بھی منشی پریم چند کی روایت سے جڑے ہوئے ہیں، دیہاتی زندگی اور اس کے

معاشی مسائل اور اس کے ساتھ ساتھ متوسط شہری طبقے کی ترجمانی اختر اوریبنوی کے افسانوں میں نظر آتی ہے ، ان کے افسانوی مجموعے'' منظر و پس منظر'' اور'' کلیاں اور کانٹے'' بہار کی دیہی زندگی کی عمدہ اور موثر تصویر کشی کرتے ہیں ۔ یہی چیز ہمیں سہیل عظیم آبادی کے افسانوں میں بھی نظر آتی ہے ۔ بقول پروفیسر وقار عظیم :

> سہیل کا ماحول بھی بہار کے دیہات ہیں لیکن انہوں نے زندگی کے مشاہدے ، احساس کی شدت اور مصلحانہ انداز کو فن کی سادگی میں اس سادگی اور خموشی سے سمویا ہے کہ ان کی حکیمانہ ،مصلحانہ اور فنکارانہ حیثیت اپنے دوسرے ہم عصروں میں منفرد بن گئی ہے ۔[10]

سہیل عظیم آبادی کے افسانوی مجموعے'' الاؤ'' اور'' تین تصویریں'' بہار کی دیہی زندگی اور اس کی سیاسی و معاشی مشکلات اور مسائل کی ترجمانی کرتے ہیں ۔

اوپندر ناتھ اشک کے افسانوں پر بھی منشی پریم چند کے اثرات موجود ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعوں''نورتن'' اور'' عورت کی فطرت'' میں شامل افسانے اس بات کا واضح ثبوت ہیں ۔ ان کی اصلاح پسندی کا رجحان بعد میں انھیں سطان حیدر جوش کے نزدیک لے آیا ۔ ان کے افسانوی مجموعے'' ڈاچی'' کے افسانوں میں جا بجا اصلاحی اور اخلاقی رنگ نمایاں ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ ان کے دیگر افسانوی مجموعوں'' قفس'' ،'' چٹان''اور'' پلنگ''میں عورت اور متوسط ہندو گھرانوں کی معاشرتی اور گھریلو زندگی کی ترجمانی ملتی ہے ۔ اشک کے افسانوں میں ابتداء سے آخر تک اپنے زمانے کی سیاسی، معاشرتی حالات کی عکاسی ملتی ہے ۔ ان کے افسانوں میں بیک وقت رومانی، اصلاحی اور انقلابی رنگ نمایاں ہے۔

اختر انصاری زندگی اور سماج کے داخلی اور خارجی پہلوؤں کو بڑی فنکارانہ پختگی کے ساتھ اپنے افسانوں میں پیش کرتے ہیں ۔ بقول ڈاکٹر نکہت ریحانہ خان :

> اختر انصاری کی افسانہ نگاری کو اردو افسانے کے ایک نئے اسکول کی حیثیت حاصل رہی ہے ۔ انہوں نے مروجہ واقعاتی طرز سے انحراف کیا ہے اور روسی افسانہ نگاروں خصوصاً چیخوف اور دیگر انگریزی نئے افسانہ نگاروں سے متاثر ہو کر تاثراتی افسانے کا آغاز کیا اور کہانی کو پلاٹ کی بندش سے آزاد کیا۔ ان کے یہاں فکر کی گہرائی ملتی ہے ۔فنی نقطہ نظر سے ان کا افسانہ'' دنیا کی سیر'' قابل ذکر ہے ۔ ان کے افسانوی مجموعوں'' نازو'' اور'' یہ زندگی'' کے افسانے نفسیاتی تجربے کی اچھی مثالیں ہیں ۔ یہ تجزیہ ان کی انفرادیت کے ضامن ہیں''۔[11]

خواجہ احمد عباس ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ صحافی بھی ہیں ۔صحافت سے گہری وابستگی کی وجہ سے وہ افسانہ نگاری میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ نہ کر سکے۔ ذہنی طور پر ترقی پسند تحریک سے ان کی گہری وابستگی رہی ہے ۔ ان کے افسانوں میں افادی اور مقصدی رنگ کی دلچسپ اور دلکش آمیزش ہے ۔مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں

> خواجہ احمد عباس کے افسانوں کے مجموعے'' زعفران کے پھول'' کے تینوں طویل افسانے اخباری رپورٹ کا طرز اختیار کار لیے ہوئے ہیں ۔ تیسرا افسانہ'' اندھیرا اجالا'' میں فلم تکنیک کا کامیاب برتاؤ پہلی بار کیا گیا ہے ۔ جب کہ اسی تصویر کاری کے تحت'' بمبئی رات کی بانہوں میں'' شاہ کار ہے ۔خواجہ احمد عباس کے یہاں ایک طرف تو'' چاکلیٹ اور وقت'' جیسے کومل افسانے ہیں اور دوسری طرف'' چوراہا'' جیسے چونکا دینے والے کڑوے حقائق پر مبنی افسانے بھی ہیں ۔[12]

'' تین پیسے کی چھوکری'''' موٹر''،'' گیہوں اور گلاب'' ۔ان کے کامیاب اور قابل ذکر افسانے ہیں ۔انہوں نے فسادات پر

بھی افسانے لکھے جن میں ''سردار جی'' کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔

دیویندر ستھیارتھی کے افسانے زیادہ تر لوک گیتوں اور دیو مالائی قصوں سے متعلق ہیں۔''لال دھرتی''،''ستلج پھر بپھرا''، ''کانگڑی''،''جوڑا سانکھو''،ان کے قابل ذکر افسانے ہیں۔ دیویندر ستھیارتھی کے افسانوں میں دیہی اور شہری زندگی اور سماج اپنے تمام تر حسن، رنگوں اور خوشبوؤں کے ساتھ سانس لیتا ہوا نظر آتا ہے۔عورت، سماج میں پائی جانے والی معاشی ناہمواریاں اور ان کے نفسیاتی اور جنسی مسائل ستھیارتی کے افسانوں کے خاص موضوعات ہیں۔ان کے افسانوی کرداروں میں ''مائی تلساں'' کا کردار بے حد جان دار اور کامیاب کردار ہے۔

احمد ندیم قاسمی نے مختلف اور متنوع موضوعات پر افسانے لکھے ہیں جن میں تقسیم ہند، مزدوروں پر سرمایہ داروں کے مظالم، حکمرانوں کے ظالمانہ رویوں، عوام دشمن تحریکوں اور دیہاتی زندگی اور اس کے مسائل وغیرہ وغیرہ ،دیہات ان کے افسانوں کا خاص موضوع ہے۔ البتہ ان کے ابتدائی افسانوی مجموعے'' چوپال'' کے افسانوں میں رومانیت ملتی ہے جبکہ ''لارنس آف تھلیبا''،''قبر''، ''کپاس کے پھول''اور''ماسی گل بانو'' دیہی اور کسی قدر رومانی نوعیت کے افسانے ہیں ، ان کا افسانوی مجموعہ'' طلوع وغروب''،ان کے افسانوی فن کا بہترین نمونہ ہے۔'' فقیر سائیں کی کرامات''،''میرا دیس''اور''پکا مکان''،ان کے اچھے ، معیاری اور قابل ذکر افسانے ہیں ان کے افسانے کی ایک خوبی شعریت اور فن کاری کے ساتھ ساتھ مشاہدے ، تجربے ، احساس اور تفکر کا دلکش امتزاج ہے۔''فرہاد''،''گنڈاسا''،''دل اُمڈ آئے''،''گھر سے گھر تک''اور''جن وانی''اس ضمن میں بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔فسادات پر ان کا افسانہ''پرمیشر سنگھ''بڑا متاثر کن افسانہ ہے۔ ان کے افسانوی مجموعے''نیلا پتھر'' کا افسانہ''مال'' مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے المناک سانحے کے پس منظر میں لکھا گیا ہے اور بہترین افسانہ ہے۔احمد ندیم قاسمی موضوع اور فن پر پوری طرح گرفت رکھتے ہیں اور ان کے افسانوں میں مقصدیت کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ دیہی اور شہری زندگی کے مسائل کی ترجمانی بڑی عمدگی سے کرتے ہیں۔

حیات اللہ انصاری بھی بڑے افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا مشہور افسانہ''آخری کوشش'' تکنیک کے لحاظ سے بیانیہ نوعیت کا ہے لیکن اس افسانے میں جو تخلیقی مہارت اور فنی خوبی ہے وہ انھیں بلندی عطا کرتی ہے اور ان کے افسانے میں اثر انگیزی پیدا کرتی ہے اس ضمن میں مشہور روسی افسانہ نگار چیخوف کے اثرات بھی اپنی کارفرمائی دکھاتے ہیں۔''شکرگزار آنکھیں''اور ''ماں بیٹا'' ان کے قابل ذکر افسانے ہیں۔ حیات اللہ انصاری افسانوی فنی لوازم کو پیش نظر رکھتے ہیں۔محض بات میں بہ کر فنی توازن سے ہاتھ نہیں دھوتے۔اسی لیے ان کے افسانے اثر انگیز بھی ہیں فن کے خوب صورت نمونے بھی۔

غلام عباس نے اپنے افسانوں میں فن اور تکنیک کے لحاظ سے بہت سے کامیاب تجربے کیے ہیں۔عموماً ان کے یہاں رومان، جنس اور سیاسی وسماجی حالات اور مسائل کے بجائے زندگی کے لطیف اور نازک پہلوؤں سے متعلق افسانے ملتے ہیں۔ دیہاتی اور شہری زندگی کا متوسط طبقہ اور اس کی معاشرت، زندگی ، جذبات اور احساسات اور نفسیاتی وسماجی صورت حال کی ترجمانی ان کے افسانوں کی خصوصیت ہے۔ ان کے کردار باقاعدہ سوچے سمجھے اور طے کیے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ وہ اردگرد کے ماحول سے معمولی طبقے سے اپنے افسانوں کے لیے کرداروں کا انتخاب کرکے ان میں پائی جانے والی برائیوں اور خوبیوں کے ساتھ اپنے افسانوں میں پوری فنی مہارت کے ساتھ پیش کردیتے ہیں۔ ان کے افسانوں کا اختتام عام طور پر پڑھنے والوں کو سوچنے پر مجبور کردیتا ہے۔''ناک کاٹنے والے''، ''آنندی''،''اوورکوٹ''،''فینسی ہیئر کٹنگ سیلون''،''سایہ''،''کن رس''اور''اس کی بیوی'' ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔

حسن عسکری پر فرانسیسی مفکر، پروست کے اثرات غالب ہیں۔ ان کے افسانوں میں ایک طرف قنوطیت پسند کردار نظر آتے

ہیں تو دوسری جانب غیر صحت مند کردار بھی ملتے ہیں وہ کرداروں کا تجزیہ کرتے ہوئے گہرے سماجی شعور کا اظہار کرتے ہیں۔ عہد ... کی زوال پذیر تہذیب کا فرد ان کے افسانوں میں سانس لیتا ہوا نظر آتا ہے۔''...'' اور ''قیامت ہم رکاب آئے نہ آئے'' ان کے افسانوی مجموعے ہیں، عسکری نے اپنے افسانوں میں شعور کی رو کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔ اس ضمن میں ان کے افسانے ''حرام جادی'' مطبوعہ ۱۹۴۱ء اور ''چائے کی پیالی'' مطبوعہ اپریل ۱۹۴۲ء، (ادبی د...) کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، ان کے افسانوں میں زندگی کا نفسیاتی پہلو اور تحلیل نفسی کا رجحان غالب ہے۔ ممتاز مفتی کا شمار بھی کامیاب افسانہ نگاروں ہوتا ہے۔ بقول مرزا حامد بیگ:

> ممتاز مفتی کے افسانوں کی بڑی تعداد نوجوان ... بوں اور ان سے پیدا ہونے والی نفسیاتی الجھنوں پر ... ہے۔ ممتاز مفتی کے افسانوں میں دو طرح کے کردار ہیں ایک تو وہ جو مفتی کے ... م جوانی کی ... د دلاتے ہیں (مثلاً اسمارا ...) اور دوسرے وہ کردار جو آج کے عہد سے متعلق ہیں (مثلاً آدھے چہرے) زبان میں خاص طرح کی سجاوٹ کا اہتمام اور تکنیک کا تنوع شروع سے ان کے افسانوں کی جان ہے البتہ زبان کے ... رے میں ہندی کے حوالے سے تنوع حال ہی میں سامنے ... ہے۔ مثلاً اپسرا حو~) ''ایمان''، ''اپ مین اپ'' اور ''کنڈی ہلتی رہی'' غیر مطبوعہ افسانے۔ ممتاز مفتی کے ... زہ ... ین افسانوں کی مثال ... لکل ویسی ہی ہے جیسے پریم چند کا ہندی کی جانب سفر اور اپنے بھرپور اظہار کے لیے کہانی کہنے کے لیے کینوس کو پھیلانے کا جتن۔[۱۳]

ممتاز مفتی نے ۱۹۲۶ء کے آس پاس لکھنا شروع کیا۔ انھیں نفسیات اور جنسیات سے خاص لگاؤ ہے اور زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کو انھوں نے اپنے افسانوں میں فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ''ہماری گلی'' ''دودھیا سویرا'' اور ''سورج سنگھ''، ان کے اچھے افسانے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے کرداروں کی داخلی کیفیات پر خاص ... ہوئے ان کے دل، ذہن اور لاشعور کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے ... ر، کرب اور خواہشات واحساسات کو بے ... ب کرتے ہیں ... بڑی عمدگی اور فن کارانہ مہارت کے ساتھ، ان کے افسانے ''...ت'' اور ''...'' اسی ضمن میں آتے ہیں۔

ہاجرہ مسرور کا شمار بھی بڑی خواتین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے ان کے افسانوں میں عصمت چغتائی کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ روما... کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں جنس کا موضوع بھی ملتا ہے۔ ''ہائے اللہ'' ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جس کے افسانوں میں جنسی موضوعات شامل ہیں۔ ''ہائے اللہ''، ''تل اوٹ پہاڑ''، ''راکھ''، ''بندر کا گھاؤ''، اور ''سرگوشیاں'' اس ضمن میں بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ہاجرہ ترقی پسند تحریک سے متاثر تھیں اس لیے ان کے افسانوں میں ایک مقصدیت نظر آتی ہے۔ انہوں نے نچلے درجے کے افلاس زدہ طبقے کو قریب سے دیکھا تھا لہٰذا اسی نچلے طبقے کی زندگی کو انہوں نے اپنا موضوع بنایا۔ سماجی زندگی کے مسائل اور سماجی طبقاتی نظام کے خلاف احتجاج اور بغاوت کا جذبہ ان کے افسانوں میں ملتا ہے۔ اس ضمن میں ''بے کار''، ''گیند''، ''بھالو''، ''کار...ر'' اور ''ایک بچی''، بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد جو حالات پیدا ہوئے انہوں نے ہاجرہ مسرور کے فن کو بہت متاثر کیا۔ ہاجرہ مسرور کے افسانوں میں تخلیقی قوت، فنی پختگی اور اسلوب کی روانی، تیزی، تندی اور شوخی کے ساتھ ساتھ فنی وتکنیکی معیار بھی نظر آتا ہے۔ ان کے مجموعے ''تیسری منزل'' کے افسانے اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ اس مجموعے کا سب سے اچھا افسانہ ''تیسری منزل'' ہے جسے ۱۹۶۱ء کے بہترین افسانے کا انعام ملا تھا۔

خدیجہ مستور نے بھی اچھے اور معیاری افسانے لکھے۔ ان پر ترقی پسند افسانہ نگار رشید جہاں کا بہت اثر ہے۔ لکھنو سے تعلق ہونے کی بنا پر وہ زبان پر دسترس رکھتی تھیں۔ روزمرہ کی سیدھی سادی زبان استعمال کرتی تھیں لیکن ایمائیت واشاریت کا خاص خیال

رb تھیں اس کی مثال ان کے افسانے ''تین عورتیں'' میں دیکھی جاسکتی ہے ۔ ان کے بعض افسانے منظم اور مربوط پلاٹ کی عمدہ مثالیں ہیں مثلاً ''دادا''، ''ہینڈ پمپ'' اور'' بے چاری'' ۔انھوں نے جنسی موضوعات پر بھی کہا*ں لکھیں۔ رومانی طرز کے افسانوں میں ''کھیل''، ''معصوم''، ''پتنگ''، ''اب تم جا h ہو''، ''آسرے''، ''سنسان موڑ'' وغیرہ شامل ہیں۔

دوسری .B عظیم کے بعد د* میں جو اقتصادی بحران رونما ہوا اس پر : یجہ مستور نے .ڑی اچھی کہا*ں لکھیں ان میں ''بورکا''، ''ڈولی''، ''تھکے ہارے''، ''من''، ''دل کی پیاس''، ''تلاش گمشدہ''، ''دادا''، ''چلی پی کے ملن'' اور ''دس نمبری'' وغیرہ شامل ہیں۔

۱۹۴۷ء میں .. صغیر کی تقسیم عمل میں آئی اور نئی مملکت* پ کستان معرض وجود میں آئی۔تقسیم ہند کے ساتھ ہی فسادات کا افسوس *ک سلسلہ شروع ہH ۔اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں:

> آزادی کا* پوری طرح روشن بھی نہ ہونے** تھا کہ فسادات کے* م سے.. ق * دنے گھیر لیا۔گاؤں کے گاؤں اور شہر کے شہر قتل و غارت کی آ+ ھیوں میں تنکے کی طرح اڑ گئے * دلوں سے* پ نی کے بجائے خون.. سنے لگا۔گلی کوچے اور بستیاں ڈوب گئیں۔آدمی کے روپ میں د+ ے نکل پڑے۔.. سوں کی* ری اور ہمسائیگی کچھ کام نہ آئی۔ ہمارے رشتے آن کی آن میں منقطع ہوگئے۔* پ کے سامنے بیٹوں کو اور بھائی کے سامنے بہنوں کی عصمتیں لوٹ لی گئیں۔ کمینگی، د+ گی، حرص و ہوس، لوٹ مار اور قتل و غارت کا ایسا* زار گرم ہوا کہ تہذ$ K ن* پ نی ہوگئی۔[۱۴]

تقسیم کے بعد اردو افسانہ نگاری میں کچھ نئے موضوعات شامل ہوگئے ۔ ہمارے * دہ" افسانہ نگاروں نے فسادات کے موضوع پر افسانے لکھے۔کرشن چندراور سعادت حسن منٹو نے فسادات پر لاتعداد افسانے لکھے۔اس ضمن میں ''کھول دو''، ''+''، ''ٹوبہ ٹیک سنگھ''، ''گورکھ سنگھ کی وصیت''، ''آ ی سیلوٹ''، ''ٹیٹوال کا کتا'' اور''موذیل'' منٹو کے بہترین افسانے ہیں جن میں منٹو نے فسادات کی حقیقی اور مؤ ثر تصویر کشی کی ہے نیز''سیاہ حاشیے'' کے عنوان سے مختصر افسانوں کا ا- مجموعہ بھی پیش کیا ہے ۔کرشن چندر کے افسانے ''پشاور ایکسپریس'' اور''ہم وحشی ہیں''، راجندر سنگھ بیدی کا افسانہ 'لاجو..''، عصمت چغتائی کا افسانہ ''جڑیں''، احمد + یم قاسمی کے افسانے'' پ میشر سنگھ'' بھی بطور مثال پیش کیے جا h ہیں۔غرض منٹو،کرشن چندر، احمد+ یم قاسمی، ہا. ہ مسرور، : یجہ مستور اور راجندر سنگھ بیدی نے فسادات کے* رے میں بہت ا* انگیز اور معیاری افسانے لکھ کر* ریخ کے اس سیا* ب کو اپنے افسانوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر* ہے۔

قیام* پ کستان کے بعد مہا. ین کی مسلسل آمد، ان کی خوراک، علاج معالجے اور رہائش کی ضرو* یت کو پورا کرنے کے لیے *پ کستان کی نئی حکومت کو وسائل کی کمی کی وجہ سے کیا دشوا* یں پیش آرہی تھیں اور مہا. کیمپوں کی کیا صورت حال تھی اس پر بھی ہمارے بہت سے افسانہ نگاروں نے قلم اٹھا اس سلسلے میں قدرت اللہ شہاب کا طویل افسانہ* : ا''، احمد+ یم قاسمی کا افسانہ ''لیکن''، ہا. ہ مسرور کا افسانہ''امت مرحوم''، اشفاق احمد کا افسانہ''سنگ دل''، انتظار حسین کا افسانہ''بن لکھی رزمیہ'' میں یہ تمام چیزیں .ڑی عمدگی کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

فسادات اور نوز+ ہ مملکت* پ کستان کو ابتداء میں جن مشکلات سے دوچار ہو* پڑا ان کا ذکر تو بیشتر افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں کیا ہے ۔ ا- اور موضوع ہجرت کا تھا ۔تقسیم ہند دراصل خا+ انوں کی تقسیم تھی ۔.. سوں کی مشترکہ تہذR ر* یت کی تقسیم بھی ،تقسیم ہند اور پھر اس کے نتیجے میں ہجرت کے کرب کو جہاں عام لوگوں نے محسوس کیا افسانہ نگاروں نے اس کرب کو بطور خاص محسوس کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے شاعروں اور افسانہ نگاروں کے یہاں اپنے چھوڑے ہوئے وطن ،سرزمین،علاقوں ، .. ادری، اپنے عز. و اقارب اور اپنے ماضی کی* دیں لفظوں اور تحر. یوں کی شکل میں المیہ + از میں ابھر کر آنے لگیں۔

•سٹلجیا(Nostelgia) کا اظہار اس دور کے ادب لخصوص افسانوں میں بطور خاص Ãآ*ٗ ہے۔ انتظار حسین کے افسانے ''قیوما کی دکان''،'' + وحلوا بیسن کا''،''اجودھیا''،''رہHٍ شوق منزل مقصود''،''سانجھ بھئی چو+ لیس'' اور''محل والے'' قابل ذکر افسانے ہیں۔ حیات اللہ ا« ری نے بھی اس موضوع پر ''شکرا/ ار آنکھیں'' اور''ماں اورC'' جیسے افسانے لکھے۔

غرض تقسیم ہند کے وقت اردو افسانے میں احمد علی، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو،عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، علی عباس حسینی،اوپندر*ٗ تھ اشک، اختر حسین رائے پوری،حیات اللہ ا« ری،عزیز احمد،غلام عباس،احمد+ یم قاسمی،غلام ثقلین Ýی،مہندر*ٗ تھ،بلراج کومل،اختر ا« ری ،اِ. اہیم جلیس اور اختر اورینوی وغیرہ شامل ہیں جبکہ قیام* پکستان کے بعد کے افسانہ نگاروں کی دوسری ± میں اے حمید،ہا. ہ مسرور،: یجہ مستور، اشفاق حسین*. نو قدسیہ،ممتاز مفتی،شو - صدیقی،مرزا ادی$ ،قدرت اللہ شہاب، جمیلہ ہاشمی،الطاف فاطمہ، سید انور،رحمان مذ$ ،آغا.. ،انتظار حسین،ابوالفضل صدیقی،شکیلہ اختر،ممتاز شیریں اور قراۃ العین حیدر کے*ٗ م آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ وز یر آغا،اردو افسانہ کے تین دور،مشمولہ: اردو افسانہ روایت اور مسائل ،مرتبہ :ڈاکٹر گوپی چند*ٗ رَ- ،ایجوکیشنل ò ہاؤس ، دہلی ،مطبوعہ، ۱۹۸۰ء،ص۱۱۱

۲۔ فوزیہ اسلم ،ڈاکٹر،اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پورب اکادمی اسلام*. د،مطبوعہ :۲۰۰۷ء ص ۵۲،۵۳

۳۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر،اردو افسانہ*. ن و بیان،مشمولہ: سہ ماہی ادبیات، اسلام*. د، جلد نمبر۴، شمارہ ۱۳*ٗ ۱۵

۴۔ معین الرحمٰن ،سعید،مطالعہ یلدرم+ٗ رÜ لاہور، ۱۹۷۱ء ،ص ۴۰

۵۔ سحر ا« ری، مجنوں کی افسانہ نگاری،مشمولہ: ارمغان مجنوں ،مرتبہ :صہبا لکھنوی،شبنم رومانی، مجنوں اکیڈمی رابسن روڈ، کراچی،مطبوعہ :۱۹۸۴ء ص ۹۵،۹۷

۶۔ وقار عظیم، داستان سے افسانے تک ، اردو اکیڈمی سندھ ، کراچی ص ۱۷۹

۷۔ مسعود رضا خاکی، ڈاکٹر،اردو افسانے کا ارتقا، مکتبہ خیال لاہور،مطبوعہ :۱۹۸۷ء ص ۲۶۷،۲۶۹

۸۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پورب اکادمی اسلام*. د،مطبوعہ ۲۰۰۷ء ص ۲۳۶

۹۔ عبادت.. Wی، ڈاکٹر،افسانہ اور افسانے کی تنقید ، ادارہ ادب وتنقید لاہور،مطبوعہ :۱۹۸۶ء ص ۲۰۴

۱۰۔ وقار عظیم، داستان سے افسانے تک ، اردو اکیڈمی سندھ ، کراچی، ص ۱۹۱ء

۱۱۔ نگہت ریحانہ خاں، ڈاکٹر،اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ ۱۹۴۷ء کے بعد، - وا*ٗ لاہور،مطبوعہ ۱۹۸۸ء ص ۸۱

۱۲۔ حامد بیگ، مرزا،افسانے کا منظر نامہ، مکتبہ عالیہ*ٗ رکلی لاہور، ص ۶۳

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۳،۴۴

۱۴۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر،اردو افسانہ اور افسانہ نگاری ، مکتبہ جامعہ دہلی ، ص ۸۱